© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہؒ اور مسئلہ اجتہاد

محمد مظہر بقا

— ۲ —

البتہ اس میں تفصیل ہے کہ ان میں سے کس چیز کا کتنا علم ضروری ہے۔

۱۔ کتاب: کتاب میں حسبِ ذیل امور کا علم ضروری ہے۔

۱۔ صرف آیات احکام کا علم، جن کی تعداد پانچ سو ہے[۱]۔ لیکن ان آیات کا حفظ ضروری نہیں، صرف ان آیات کے مواقع کا علم ضروری ہے تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر سکے۔[۲]

۱۔ مستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰، التقریر ج ۳ ص ۲۹۲۔ ماوردی نے بھی یہی تعداد بتائی ہے (ارشاد ص ۲۵۰)۔ لیکن ابن امیر الحاج لکھتے ہیں کہ یہ تعداد ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ احکام پر پانچسو آیات کی دلالت، ذاتی اور اولیٰ دلالت ہے، تضمنی یا التزامی نہیں (التقریر ج ۳ ص ۲۹۲) بصورت دیگر اس تعداد پر انحصار درست نہ ہوگا، کیونکہ قصص و امثال تک سے احکام کا استخراج ہوتا ہے۔ (ارشاد ص ۲۵۰)۔

۲۔ مستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰، تلویح ج ۲ ص ۱۱۷۔ بعض کے نزدیک پورے قرآن کا حفظ ضروری ہے، بعض کے نزدیک صرف آیات احکام کا حفظ ضروری ہے اور بعض کے نزدیک حفظ مطلقاً ضروری نہیں (کشف بزدوی ج ۴ ص ۱۱۳۵)۔ امام شافعی سے یہ منقول ہے کہ حفظ قرآن ضروری ہے اور بہت سے اہلِ علم بھی یہی کہتے ہیں (تیسیر ج ۴ ص ۱۸۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ کتاب کے اقسام کا علم[1] یعنی خاص، عام، مشترک، مجمل اور مفسر وغیرہ کا علم[2]۔

۳۔ ناسخ و منسوخ کا علم[3]

۴۔ کتاب کے لغوی اور شرعی معانی کا علم۔[4]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے قرات و تفسیر کے اعتبار سے کتاب کا علم ضروری ہے[6]۔ کتاب کے صرف اتنے حصہ کا علم ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہے[5]۔ قصص و مواعظ و اخبار کا علم ضروری نہیں[7]۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن حفظ ہو[8]۔ کتاب کے خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مبین، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، کراہت و تحریم، اباحت و ندب اور وجوب کا علم بھی ضروری ہے[9]۔

حفظ قرآن کے سلسلہ میں یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ شاہ صاحب کے نزدیک صرف آیات احکام کے علم کی ضرورت ہے حفظ کی ضرورت نہیں۔ ورنہ جس طرح یہ لکھا ہے کہ پورے قرآن کا حفظ ضروری نہیں، یہ بھی لکھتے کہ آیات احکام کا حفظ ضروری ہے۔ لیکن اس کے بجائے صرف یہ لکھا ہے کہ ان کا علم ضروری ہے۔

گویا کتاب کے سلسلہ میں جن چیزوں کے علم کی ضرورت ہے ان کے بارے میں شاہ صاحب کا مسلک اصولیین میں سے جمہور کے مسلک کے مطابق ہے۔

۲۔ **سنت**:۔ سنت کے سلسلہ میں حسب ذیل امور کا علم ضروری ہے۔

۱۔ صرف احادیث احکام کا علم۔ مواعظ اور احکام آخرت سے متعلق احادیث کا علم ضروری نہیں[10]۔ احادیث احکام کی تعداد بقول ابن عربی

۱۔ کشف بزدوی ج ۴ ص ۱۱۳۵۔ ۲۔ تلویح ج ۲ ص ۱۱۷۔
۳۔ ایضاً۔ ۴۔ تلویح و کشف بزدوی حوالہ جات سابقہ۔
۵۔ ازالہ ج ۱ ص ۴۔ ۶۔ عقد ص ۸، ۸۵۔ الانصاف ص ۱۷۔
۷۔ عقد ص ۸۔ ۸۔ ازالہ ج ۲ ص ۲۳۔ عقد ص ۸۵۔
۹۔ عقد ص ۸، ۸۵۔ ۱۰۔ مستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین ہزار ہے[۱]۔ ان احادیث احکام کا حفظ ضروری نہیں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس سنن ابی داؤد یا احمد بیہقی کی معرفت السنن یا احادیث احکام کی جامع کوئی صحیح اصل موجود ہو۔ اور وہ ہر باب کے مواقع جانتا ہو تاکہ بوقت ضرورت مراجعت کر سکے۔[۲]

۲۔ متن کی معرفت۔ کہ یہ متواتر ہے یا مشہور یا آحاد[۳]۔ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف[۴] مقبول ہے یا مردود[۵]، نیز اس کا علم کہ فلاں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظاً مروی ہے، فلاں معنیً۔[۶]

۳۔ سند کی معرفت۔ یعنی رواۃ کے حالات اور جرح وتعدیل کا علم[۷]

۱۔ ارشاد ص ۲۵۱۔ ملا جیون نے بھی یہی تعداد لکھی ہے (نور، ج ۲ ص ۱۶۹)۔ بعض حضرات احادیث احکام کی تعداد بھی پانچسو بتاتے ہیں (التقریر، ج ۳ ص ۲۹۲)۔ امام احمد سے منقول ہے کہ جب کسی شخص کو پانچ لاکھ احادیث یاد ہوں، تب امید کی جا سکتی ہے کہ وہ فتویٰ دینے کا اہل ہوگا۔ (ایضاً)۔ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں کہ یہ قول یا تو احتیاط پر مبنی ہے یا کامل ترین فقہاء کے لئے ہے، ورنہ جتنی احادیث کا علم ضروری ہے اس کے متعلق خود امام احمد کا قول ہے کہ علم نبوی کا مدار جن اصول احادیث پر ہے ان کی تعداد ایک ہزار دو سو ہونی چاہیئے (ایضاً)۔

۲۔ مستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ اصولیین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ لیکن خود علامہ شوکانی کی رائے یہ ہے کہ اس کے پاس امہات ستہ اور ان کی ملحقات ہونی چاہئیں اور اسے مسانید، مستخرجات اور ان کتب پر بھی اطلاع ہونی چاہیئے جن کے مصنفین نے صحت کا التزام کیا ہے (ارشاد ص ۲۵۱)۔

۳۔ تلویح ج ۲ ص ۱۱۷، کشف بزدوی ج ۴ ص ۱۱۳۵۔

۴۔ ارشاد ص ۲۵۱۔ ۵۔ مستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۲۔

۶۔ کشف بزدوی ج ۴ ص ۱۱۳۵۔ ۷۔ تلویح ج ۲ ص ۱۱۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام غزالی لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو سلف نے بالاتفاق قبول کر لیا ہو یا اس کے رواۃ کی اہلیت بطریق تواتر ثابت ہو۔ اس کے رواۃ کی عدالت سے بحث کی ضرورت نہیں۔ اور جو حدیث ایسی نہ ہو، اس کے رواۃ کی عدالت سے بحث ضروری ہے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ کافی ہے کہ کسی ایسے امام عادل کی تعدیل پر اعتماد کر لیا جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ تعدیل کے بارے میں اس کا مذہب صحیح ہے۔ [۱]

بہت سے دوسرے علمائے فن نے بھی اس باب میں امام غزالی سے اتفاق کیا ہے [۲]

۴۔ اس کے لغوی اور شرعی معانی کا علم۔ [۳]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سنت سے متعلق صرف اتنے حصے کا علم ضروری ہے جس کا تعلق احکام سے ہے [۴]۔ ان کے علاوہ قصص و مواعظ و اخبار کا علم ضروری نہیں۔ [۵]

۱۔ مستصفیٰ۔ ج ۲ ص ۳۵۳۔

۲۔ چنانچہ صاحب تلویح لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ طول مدت اور کثرت وسائط کی وجہ سے رواۃ کے احوال سے بحث تقریباً ناممکن ہے، اس لئے بخاری، مسلم، بغوی اور صغانی وغیرہ معتمد ائمہ حدیث کی تعدیل پر اکتفاء کافی ہے (تلویح ج ۲ ص ۱۱۷)۔ ابن السبکی، ابن امیر الحاج اور محب اللہ نے یہی لکھا ہے۔ البتہ ابن امیر الحاج اور محب اللہ نے کسی معتمد امام حدیث کا نام نہیں لیا اور ابن السبکی نے امام احمد، بخاری اور مسلم کے نام کا ذکر کیا ہے۔ (رجوع ج ۲ ص ۳۸۴۔ التقریر ج ۳ ص ۲۹۳، مسلم، مع فواتح ج ۲ ص ۳۶۲۔)

۳۔ تلویح ج ۲ ص ۱۱۷۔ قواطع میں معرفت سنت کے لئے پانچ شروط مذکور ہیں (۱) طرق کا علم جس سے کسی حدیث کا متواتر یا آحاد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (۲) آحاد کے طرق کی صحت اور اس کے رواۃ کا علم۔ (۳) اقوال و افعال کے احکام کا علم۔ (۴) ان معانی کا علم جن سے احتمال منتفی ہے اور ان الفاظ کا حفظ جن میں احتمال پایا جاتا ہے۔ (۵) متعارض احادیث میں ترجیح کا علم۔ (کشف بزدوی ج ۴ ص ۱۱۲۵)۔

۴۔ عقد، ص ۸، ۸۵، الانصاف ص ۱۷۔ ۵۔ عقد۔ ص ۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ضروری نہیں کہ تمام متفرق احادیث کا تتبع کیا جائے ، بلکہ اگر کسی کے پاس احادیث احکام کی جامع کوئی صحیح کتاب موجود ہو ، مثلاً سنن ترمذی یا نسائی یا مثلاً سنن ابی داؤد تو یہ کتاب کافی ہے۔[۱]

صحیح ، ضعیف ، متواتر ، آحاد ، مرسل ، مسند ، معضل اور منقطع احادیث کا علم بھی ضروری ہے۔[۲] خاص و عام ، مطلق و مقید ، مجمل و مبین ، ناسخ و منسوخ ، محکم و متشابہ ، کراہت و تحریم ، اباحت و ندب اور وجوب کا علم بھی ضروری ہے۔[۳]

اسانید کا علم اور رواۃ کی جرح و تعدیل کا علم[۴]، جس حدیث کو سلف نے متفقہ طور پر قبول کر لیا ہو یا اس کے رواۃ کی عدالت بطریق تواتر ثابت ہو ، اس کے رواۃ کی عدالت سے بحث ضروری نہیں۔ البتہ جو احادیث ایسی نہیں ان کے رواۃ کی عدالت سے بحث ضروری ہے۔[۵]

اس کا علم بھی ضروری ہے کہ کتاب کی سنت پر اور سنت کی کتاب پر کس طرح ترتیب ہوتی ہے تاکہ اگر کوئی حدیث ایسی نظر آئے جو بظاہر کتاب کے موافق نہ ہو تو اس کا محمل معلوم ہو سکے ، کیونکہ سنت دراصل کتاب کا بیان ہے اور وہ کبھی کتاب کے خلاف نہیں ہو سکتی۔[۶] مختلفین کے درمیان وجوہ تطبیق کا علم بھی مجتہد کے لئے ضروری ہے۔[۷] گویا سنت کے بارے میں مجتہد کے لئے جن چند چیزوں کا علم ضروری ہے ، ان کے بارے میں شاہ صاحب کے یہاں جمہور کے خلاف کوئی بات نہیں۔

۱۔ عقد ، ص ۸۶۔

۲۔ عقد ، ص ۸ ، ۸۵

۳۔ ایضاً۔

۴۔ عقد ، ص ۸۵۔

۵۔ عقد ، ص ۸۶۔

۶۔ عقد ، ص ۸۔ ابن السبکی نے بھی "تقدیم ما یجب تقدیمه وتعیین ما یتعین تاخیرہ" کو مجتہد کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ (ابہاج ج ۳ ص ۱۷۵)

۷۔ عقد ، ص ۸۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- اجماع: اجماع کے سلسلہ میں اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ مجتہد مطلق کے لئے مواضع اجماع کا علم ضروری ہے[۱]۔ تاکہ کسی موقع پر اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے دے[۲]۔ لیکن امام شافعی نے مواضع خلاف کا علم بھی ضروری قرار دیا ہے[۳]۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجماع و خلاف کے تمام مواقع کا علم ضروری نہیں۔ بلکہ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا فتویٰ اجماع کے مخالف نہیں ہے اور اس کی معرفت دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ دیکھ لے کہ اس کا فتویٰ کسی مذہب کے موافق ہے یا یہ یقین کرلے کہ یہ مسئلہ اسی کے زمانہ کی پیداوار ہے اور سابق اہل اجماع کو اس پر غور کرنے کا موقع ہی نہ تھا[۴]۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے شرط ہے کہ اسے مسائل میں سلف کے اقوال کا علم ہو کہ کن امور میں ان کا اجماع ہے، کن امور میں اختلاف[۵]، تاکہ اجماع سے تجاوز کرنے یا جن مسائل میں اختلاف کی دو صورتیں ہوں، ان میں تیسرا قول اختیار کرنے کی نوبت نہ آئے[۶]۔

اجماع و اختلاف کے تمام مواقع کا ضبط ضروری نہیں بلکہ صرف اس قدر جان لینا کافی ہے کہ جس مسئلہ میں حکم لگایا جا رہا ہے وہ اجماع کے مخالف نہیں بایں طور کہ اسے معلوم ہو کہ اس کا قول بعض متقدمین کے قول کے موافق ہے یا اسے گمان غالب ہو کہ سلف نے اس پر کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ یہ مسئلہ صرف اس کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے۔[۷]

صحابہ و تابعین کے اقوال میں سے صرف ان اقوال کا علم ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہوں اور فقہائے امت کے فتاویٰ میں سے ایک کثیر حصہ کا علم ہونا چاہیئے تاکہ حکم میں ان کے اقوال کی مخالفت نہ ہو۔ اور خرق اجماع کا موقع نہ آئے۔[۸]

۱- ابو زہرہ، اصول فقہ، ص ۳۶۹۔ ۲- ارشاد، ص ۲۵۱۔

۳- ابو زہرہ، حوالہ سابقہ۔ ۴- مستصفےٰ ج ۲ ص ۲۵۱۔

۵- عقد، ص ۸۵، ۸۶ بحوالہ انوار، ازالہ ج ۱ ص ۴۔

۶- ازالہ حوالہ سابقہ ۷- عقد، ص ۸۶ بحوالہ انوار۔

۸- عقد، ص ۹ بحوالہ بغوی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغوی نے جن کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ تمام شرائط بیان کی ہیں مجتہد مطلق کے لئے مواضع اجماع کی معرفت کو شرط قرار دینے کے بجائے اقوال سلف اور مواضع اجماع و خلاف کی معرفت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ بغوی نے اور ان کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ بات محض امام شافعی کی اتباع میں کہی ہے ورنہ عام طور پر مواضع اجماع کے علم کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ بہرحال اتنی بات تو یقینی ہے کہ مجتہد کے لئے معرفت اجماع کے شرط ہونے سے شاہ صاحب کو بھی اتفاق ہے۔

۴۔ قیاس: قیاس، اس کے شرائط، اس کے احکام، اس کے اقسام اور مقبول اور مردود قیاس کا علم بھی مجتہد مطلق کے لئے ضروری ہے تاکہ صحیح استنباط کر سکے۔[۱] شاہ صاحب بھی فرماتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے قیاس جلی اور خفی کا علم اس طرح پر ضروری ہے کہ صحیح اور فاسد قیاس میں فرق کر سکے[۲] طرق استنباط کا علم بھی اس کے لئے ضروری ہے۔[۳]

۵۔ علم عربیت[۴]: صرف، نحو، لغت، معانی اور بیان یہ تمام علوم، علوم عربیت میں شامل ہیں اور بعض حضرات نے مجتہد کے لئے ان تمام علوم کا علم ضروری قرار دیا ہے[۴]۔ لیکن عام طور پر مجتہد کے لئے لغت اور نحو کا علم ضروری قرار دیا جاتا ہے۔[۵]

لغت اور نحو کا اتنا علم ضروری ہے کہ عرب کے خطاب اور ان کے اوضاع و عادات

۱۔ تلویح، ج ۲ ص ۱۱۷۔ بعض حضرات قیاس کے بجائے اصول فقہ کی معرفت کو مجتہد مطلق کے لئے شرط قرار دیتے ہیں مثلاً صاحب مسلم (مع فواتح ج ۲ ص ۳۶۲) اور شوکانی (ارشاد ص ۲۵۲)۔ لیکن علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ معرفت قیاس بلاشبہ شرط ہے مگر چونکہ یہ اصول فقہ ہی کا ایک باب ہے اس لئے اس کے تحت آ جاتا ہے۔

۲۔ عقد، ص ۸۶ بحوالہ انوار۔ ۳۔ ازالہ، ج ۱ ص ۴۔

۴۔ تلویح، ج ۲ ص ۱۱۷، غایۃ الوصول، ص ۱۴۸۔ ۵۔ مستصفی، ج ۲ ص ۳۵۲، آمدی، ج ۳ ص ۱۳۹۔

(۴)۔ بنانی لکھتے ہیں: "العربیۃ تطلق علی اثنی عشر علما"۔ (حاشیہ جمع ج ۲ ص ۳۸۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو سمجھ سکے[1] یعنی صریح، ظاہر، مجمل، حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید، نص، فحوٰی، لحن، مفہوم[2]، مفرد، مرکب، کلی، جزئی، تواطیٔ، اشتراک، ترادف، تباین، منطوق، اقتضاء، اشارہ، تنبیہ اور ایماء وغیرہ کو سمجھ سکے[3] لغت میں اصمعی اور نحو میں خلیل و مبرد ہونا ضروری نہیں۔[4]

لغت اور نحو میں گو مجتہد کا اصمعی اور خلیل اور مبرد جیسے ائمہ فن کا ہم پایہ ہونا ضروری نہ ہو، تاہم جن چیزوں کا جاننا اس کے لئے ضروری بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں اسے اجتہاد، دقت نظر اور تبحر حاصل ہونا چاہیئے[5]۔ چنانچہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ فہم عربیت کے تین مراتب ہوتے ہیں مبتدی کا فہم۔ متوسط کا فہم اور منتہی کا فہم۔ جو فہم عربیت میں مبتدی ہوگا وہ فہم شریعت میں بھی مبتدی ہوگا۔ اور جو فہم عربیت میں متوسط ہوگا وہ فہم شریعت میں بھی متوسط ہوگا اور جو فہم عربیت میں منتہی ہوگا وہ فہم شریعت میں بھی منتہی ہوگا۔ جب تک کوئی شخص فہم عربیت اور فہم شریعت میں منتہی نہ ہو اس میں قصور ہوگا اور قاصر کی بات حجت نہیں ہوتی۔[6]

علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک شریعت میں مجتہد نہیں ہو سکتا جب تک کلام عرب میں اس طرح کا مجتہد نہ ہو جائے کہ خطاب عرب کا فہم اس کے لئے بے تکلف وصف بن جائے[7]

علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ اسے یہ چیزیں حفظ ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ اسے ائمہ فن کی کتابوں سے استخراج پر قدرت ہو۔[8]

۱۔ مستصفیٰ، ج ۲ ص ۳۵۲، آمدی، ج ۳ ص ۱۳۹۔

۲۔ مستصفیٰ، حوالہ سابقہ۔ ۳۔ آمدی، حوالہ سابقہ۔ ۴۔ ایضاً۔

۵۔ شاطبی، موافقات، ج ۴ ص ۶۱۔ ابوزہرہ، اصول فقہ، ص ۳۶۶۔

۶۔ موافقات، ج ۴ ص ۶۰۔ ۷۔ موافقات، ج ۴ ص ۶۲۔

۸۔ ارشاد، ص ۲۵۱۔ امام شافعی کا قول ہے کہ ہر مسلمان کے لئے اتنی عربی جاننا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے نحو اور لغت وغیرہ کے اعتبار سے علم عربیت ضروری ہے[۱]۔ لیکن لغت صرف اتنی جاننا ضروری ہے جو احکام کے سلسلہ میں کتاب و سنت میں استعمال ہوئی ہے، اور معرفت لغت میں اسے اتنی محنت کرنی چاہیئے کہ مواقع اور احوال کے اختلاف سے اہل عرب کے کلام کی مراد میں جو اختلاف ہو جایا کرتا ہے، وہ اس کی سمجھ میں آ جائے۔ اس لئے کہ خطاب عربی زبان میں ہے اور جو شخص عربی زبان نہ جانے وہ شارع کی مراد سے واقف نہیں ہو سکتا۔[۲]

مجتہد مطلق کے لئے ان پانچ شرائط کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان علوم کے بڑے حصہ کو جان لینا کافی ہے۔ لیکن اس تبحر کے ساتھ جاننا ضروری نہیں کہ ایک چیز بھی اس سے چھوٹنے نہ پائے۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی نوع اسے معلوم نہ ہو تو وہ مجتہد نہیں بن سکتا۔ پھر اس کا کام تقلید کرنا ہے۔[۳]

(بقیہ حاشیہ) فرض ہے جس سے وہ فرض کی ادائیگی کر سکے۔ اور ماوردی کہتے ہیں کہ عربی زبان کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ مجتہد ہو یا نہ ہو۔ (ایضاً)

۱۔ ازالہ، ج ۱ ص ۴۔ ۲۔ عقد، ص ۸ - ۹ بحوالہ بغوی۔

۳۔ عقد، ص ۹ بحوالہ بغوی۔ امام غزالی لکھتے ہیں: المجتهد المطلع على مدارك الادلة القادر على الاستقصاء كالذى يقدر على التردد فى بيته لطلب متاع اذا فتش وبالغ امكنه ان يقطع بنفى المتاع او يدعى غلبة الظن۔ اما الاعمى الذى لا يعرف البيت ولا يبصر ما فيه، فليس له ان يدعى نفى المتاع من البيت۔ (مستصفیٰ، ج ۱ ص ۲۲۱)۔

© rasailojaraid.com